اسلام کا سیاسی تصور
پاکستان میں مذہبی و فرقہ وارانہ تشدد

زید حامد

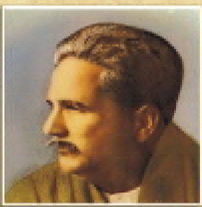

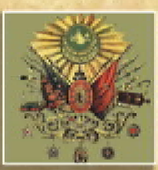

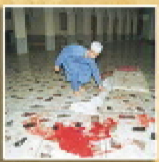

جناب زید حامد ایک ممتاز دفاعی تجزیہ نگار اور مبصر ہیں۔ وہ دفاعی حکمت عملی سے متعلقہ معاملات میں وسیع تر تجربہ رکھتے ہیں۔ ریاستی اور غیر ریاستی دہشت گردی، قومی سلامتی، دہشت گردی کے خلاف قابل عمل اقدامات، غیر روایتی جنگ، بغاوتیں اور انکا سد باب، نفسیاتی اور معلوماتی جنگ، مذہبی اور فرقہ وارانہ تشدد سے نمٹنے سے متعلق امور میں بھی انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

مصنف نے موجودہ دور کی جدید ترین گوریلا جنگ جو کہ افغان مجاہدین نے سوویت یونین کے خلاف 80ء کی دہائی میں لڑی تھی اسے نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ عملی طور پر بھی اس میں شریک رہے۔ ان امور پر آپ کی مہارت آپ کے عملی تجربے کی عکاس ہے۔

جناب زید حامد منفرد لکھاری ہیں۔ دفاعی امور پر آپ کے درجنوں کتابچے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ آپ باقاعدگی کے ساتھ بحثیت ایک ماہر تجزیہ نگار مختلف ٹی وی چینلز پر مدعو کیئے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ ''نیوز ون'' ٹی وی چینل پر سیکورٹی اور دفاعی امور کے حوالے سے ''براس ٹیکس'' کے نام سے ایک خاص پروگرام بھی کرتے ہیں۔ ان کی آراء کو معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے براس ٹیکس کی بنیاد 2001ء میں رکھی جو کہ ایک منفرد، آزاد اور غیر سرکاری پاکستانی دفاعی تجزیہ نگاری کا ادارہ (سیکورٹی تھنک ٹینک) ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا سیاسی تصور

پاکستان میں مذہبی و فرقہ وارانہ تشدد

زید حامد

BrassTacks
Security Think Tank &
Defence Analysis Consulting

نام کتاب : اسلام کا سیاسی تصور۔۔ پاکستان میں مذہبی و فرقہ وارانہ تشدد

مصنف : **زید حامد**

کمپوزنگ و ڈیزائننگ : وقار احمد صدیقی

تزئین و آرائش : براس ٹیکس

تاریخ اشاعت : اگست 2008ء

رابطہ : براس ٹیکس

ای میل : info@brasstacks.biz

ویب سائٹ : www.brasstacks.pk

نوٹ: اس کتاب کو مصنف کی اجازت سے فلاح عامہ کے لیے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پیش لفظ

زیرِ نظر کتابچہ معروف تجزیہ نگار اور دفاعی مبصر جناب زید حامد کے اس پروگرام پر مبنی ہے جو ٹی وی ون پر نشر کیا گیا۔ مجوزہ پروگرام کو کتابت (ٹرانسکر ائیب) کر کے کتابچے کی شکل دی گئی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ ٹرانسکر پشن سے کتابی صورت میں ڈھالتے ہوئے جملوں اور مواد کو اردو زبان اور گرائمر سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے معمولی تدوین عمل میں لائی گئی۔ بہر کیف پروگرام کے مفہوم اور ہیت کو حد درجہ برقرار رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس حوالے سے قارئین کے تعمیری مشورے اور تجاویز ہماری لیے رہنمائی کا باعث ہوں گے۔

فرزانہ شاہ

سینئر اینالسٹ

اسلام کا سیاسی تصور۔ پاکستان میں مذہبی و فرقہ وارانہ تشدد

امریکی مقاصد کا حصول جن عوامل میں پنہاں ہے ان میں اسرائیل کا تحفظ، پوری دنیا کے تیل کے ذخائر پر قبضہ، عالمی پانی کے راستوں تک رسائی، اسلام کے سیاسی تصور کو مضبوط نہ ہونے دینا اور روس اور چین کا گھیراؤ کرنا شامل ہے۔ سیاسی اسلام کے خلاف جنگ امریکہ کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ کیونکہ صیہونی نظریاتی بنیادوں پر اسلام کے سیاسی تشخص کو تباہ کرنے کے خواہاں ہیں۔ امت مسلمہ اس وقت ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ دشمن کی خارجہ پالیسی کا مقصد ہی مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔

لہذا مسلمانوں کو اپنے اندر کے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے کام کرنا ہوگا۔ آج پوری امت مسلمہ کو اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔ مسلم امہ کی سالمیت اور بقا صرف اتفاق میں ہے۔ بدقسمتی سے دشمنوں نے سازشیں کر کے ہمارے حالات اس نہج پر پہنچا دیئے ہیں کہ شاید مستقبل میں ہمیں اپنی عزت و آبرو کا دفاع اور پاکستان کے نظریات کے دفاع کے لیے جنگ کرنی پڑ جائے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے گریبانوں میں جھانکتے ہوئے اپنی کوتاہیاں دور کرنی ہوں گی۔

اسلام کا سیاسی تصور امریکہ اور اس کے حواریوں کے لیے ایک عذاب بنا ہوا ہے۔ یہ تصور چاہے شیعہ ہو یا سنی، ان میں رائج اس نظام کے تصور سے ہی اسلام دشمن عناصر کی جان جاتی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکتبہ فکر اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے اور اسرائیل کے لیے شدید خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ لہذا جب وہ سیاسی اسلام کی بات کرتے ہیں تو اس سیاسی

نظام کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایک ایسی اسلامی ریاست وجود میں آئے جو اسلام کی سیاسی باگ ڈور کو سنبھال لے اور اپنی خارجہ پالیسی اسلامی اصولوں پر مرتب کرے۔ پھر جو خارجہ پالیسی مرتب ہوگی وہ اسرائیل کیلئے یقیناً بہت بڑا خطرہ ہوگی۔ اسرائیل کے ساتھ دوستی ممکن نہیں ہے۔ امت مسلمہ کے لیے وہ ایک زہریلا پودا ہے جب تک اس کی جڑ نہ کاٹی جائے اس وقت تک امت مسلمہ میں سکون نہیں آسکتا۔ دنیا میں بھی امت مسلمہ کے لیے موجود تمام فتنوں کی بنیاد اسرائیل ہے۔ اسلام کے سیاسی تصور سے خوف کھانے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام ایک مختلف سیاسی تصور ہے۔ اشتراکیت اور کمیونزم 50ء اور 60ء کی دھائیوں کے دو الگ الگ تصورات تھے۔ اسلام ایک الگ سماجی انصاف، معیشت اور عدل کا نظام پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں لوگ زکوۃ لے کر پھرتے تھے مگر لینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت سب لوگ خوشحال تھے اور دولت کا بٹوارہ انصاف پر مبنی تھا، دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں تھیں۔، سود پر مبنی اقتصادی نظام نہیں تھا۔ یہ سارے فسادی نظام امریکہ اور اسرائیل کے بنائے ہوئے ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام ایک الگ سماجی انصاف فراہم کرتا ہے۔ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس ایک علیحدہ تصور حیات ہے۔ جو اسرائیل کے لیے انتہائی پریشان کن ہے۔ وہ ہماری جوہری طاقت سے خوفزدہ ہیں۔ لہذا ہمارے جوہری اثاثوں پر قبضہ کرنا ان کا بنیادی مقصد ہے۔ ان کا مقصد طاقت کے زور پر چھوٹے چھوٹے ملکوں پر حکومت کرنا ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں یورپ اور امریکہ نے پوری دنیا میں اپنا نظام رائج کروانے کے لیے طاقت کا استعمال کیا۔ پچھلے 100 سال میں 12 کروڑ سے زائد لوگ مارے گئے ہیں۔ یہ سب نقصان ان کی برپا کی ہوئی جنگوں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام ان کے لیے بالکل قابل قبول نہیں ہے۔ چودہ سو سال سے خلافت کے تصور نے ان لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس تصور کو ہم مسلمان اتنا سنجیدہ نہیں لیتے لیکن مغرب اس کو سنجیدہ لیتا ہے۔ اس لیے بش نے اپنی تقریر میں کہا کہ بنیاد پرست مسلمان ایک ایسی مملکت بنانا چاہتے ہیں جو انڈونیشیا سے لے کر افریقہ تک ایک متحدہ

ریاست ہو اور تمام فیصلے ایک مرکز سے ہوتے ہوں۔ جو ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ خلافت کے سیاسی تصور سے مسلمان چودہ سو سالوں سے منسلک رہے ہیں جو کہ بنیادی طور پر سنی تصور ہے۔ شیعہ فرقہ میں خلافت کا تصور نہیں مگر سنی اسلام درحقیقت خلافت کے بہت قریب ہے۔ افغان طالبان سے بعض معاملات پر اختلافات کیے جاسکتے ہیں لیکن انہیں یہ امتیاز ضرور حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے علاقے میں شریعت کے نفاذ کی بھرپور سعی کی، دوسری مثال صومالیہ کی دی جاسکتی ہے جہاں ایک اسلامی گروہ نے اسلامی شریعت پر مبنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ سوڈان میں بھی ایک جماعت نے شریعتی قوانین نافذ کرنے کی جدوجہد کی۔ چوتھی کوشش الجیریا میں ہوئی جہاں ایک جماعت نے انتخابات میں اپنا منشور پیش کیا کہ وہ کامیابی کے بعد ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گے لیکن وہاں فوجی مزاحمت کے ذریعے ان کا راستہ روک دیا گیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امریکہ اور اسرائیل ویسے بھی مسلم اتحاد سے سخت خوف زدہ ہیں۔ امریکیوں اور اسرائیلوں کی سوچ فرعون جیسی ہے۔ جس طرح فرعون کو بتایا گیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے نظام کے لیے خطرہ بن سکتا ہے تو اس نے لاکھوں بچے قتل کروا دیئے تھے۔ اس طرح امریکہ اور اسرائیل کو ذرا سی بھی خبر ہو جائے کہ کسی جگہ کوئی اسلامی نظام یا شریعت نافذ ہو رہی ہے یا کوئی بھی اسلامی ایٹمی قوت اسرائیل کے لیے خطرہ پیدا کرسکتی ہے تو یہ پورے ملک کو نشانہ بنا کر ختم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ دشمن کی کمزوریوں اور سازشوں پر نظر رکھنا ہمارے لیے از حد ضروری ہے۔

اس لیے امریکیوں اور اسرائیلیوں کو اصل خطرہ شریعت کے نفاذ سے ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے قوانین ہیں اور ہماری مرضی ہے کہ جس طرح چاہیں ہم زندگی بسر کریں۔ شریعت یا خلافت کی مخالفت انکے منافقانہ اور کافرانہ رویئے کو ظاہر کرتا ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں نے جہاں شریعت کی بات کی وہاں وہ اپنے آپ کو اچھے طریقے سے پیش نہیں کرسکے، جارج برنارڈ شا نے شاید یہ بات اسی لیے کی تھی کہ اسلام میں اچھائی ہے مگر مسلمان اسلام کے اچھے پیروکار نہیں ہیں۔ یعنی ہم اپنی چیزیں اچھے طریقے سے پیش نہیں کرسکے۔

فی زمانہ مسلمانوں کے پاس فوجی، اقتصادی، سیاسی اور سماجی قوت بھی اتنی نہیں کہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ اسلام دشمن طاقتیں ہمیں آپس میں لڑا کر ہماری قوت کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ ہم اپنے سارے مسائل اس وقت حل کر سکتے ہیں جب خلافت کا نظام قائم ہو۔

خلافت عثمانیہ کا نقشہ اور عَلم

مسلمان خلافت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حضورؐ کے بعد خلافت راشدہ کے جو سلسلے چلے ان میں اُمیہّ، عباسیہ اور عثمانیہ نمایاں تھے۔ خلافِ عثمانیہ 1924ء تک چلی۔ خلافت ہی مسلمانوں کیلئے حکمرانی کا اصل طریقہ ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو منظّم اور یکجا کر کے آگے لے کر جانا ہے اور یہ راز خلافت میں پنہاں ہے۔ 1924ء کے بعد جب خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی تو یہ مسلمانوں کے لیے ناقابل یقین بات تھی۔ ہندوستان میں تحریک خلافت چلائی گئی تا کہ خلافت عثمانیہ کو بچایا جائے۔ علامہ اقبال نے جب ساری دنیا کے بدلتے ہوئے حالات دیکھے تو انہوں نے مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ خلافت دوبارہ وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ قائم کی جاسکتی ہے۔ خلافت کے بعد مسلمانوں کے لیے سخت مایوسی والا دور تھا۔ مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ امت مسلمہ پر بھی کبھی ایسا وقت آئے گا۔ اس وقت ہمارا کوئی مرکز نہیں تھا۔ علامہ اقبال نے امت کو حوصلہ دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب ”اسلام میں دینی فکر کی تعمیر نو“ (Reconstruction of Religious Thought in Islam) میں ایسی جدید ریاست کا تصور دیا جو خلافت کے قریب ترین ہو۔ خلافت عثمانیہ ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں کی 56,57 ریاستیں وجود میں آئیں اس سے پہلے قومی ریاست کا تصور مسلمانوں میں نہیں تھا۔ آرمینیا سے لیکر مغربی افریقہ تک اور استنبول سے لیکر مدینہ تک مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ مغل حکومت بھی خلافت عثمانیہ کے قریب تھی۔ مسلمان پوری دنیا کے مسلمان ممالک میں سکون سے جایا کرتے تھے۔ صرف یہ کافی تھا

کہ آپ مسلمان ہیں اور وہی تصورات آج کل یورپ نے اختیار کیے ہیں۔ یورپی یونین کا تصور انہوں نے مسلمانوں کے خلافت کے دور سے لیا ہے۔

اقبال نے امت مسلمہ کو حوصلہ دیا اور قومی ریاست کا ایک ایسا تصور پیش کیا گویا وہ بڑی حکومت کے چھوٹے صوبے ہیں۔ آپس میں اندرونی معاملات جیسے بھی ہوں لیکن ان کی خارجہ اور دفاعی پالیسی ایک ہی ہوگی۔ یہ مسلم حکومت قائم کرنے کی طرف پہلا قدم ہوگا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر

علامہ اقبال نے ایسی ریاست کا تصور دیا ہے جس میں ایک فیڈریشن ہو اور اس کے اندر مسلمانوں میں اتحاد ہو، ہماری خارجہ اور دفاعی پالیسی ایک ہو مگر قومی ریاست کے اندر قوم پرستی کے عنصر کو اقبال نے رد کیا ہے۔ اقبال اس تصور کو رد کرتے ہیں کہ قومی ریاست کی بنیاد پر امت کی تقسیم کی جائے۔ وہ قومی ریاست کو شناخت کے طور پر تو رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن تعصب کے طور پر اس کو رد کیا تا کہ مسلمانوں کی آپس میں جنگیں نہ ہوں اور اس کی بنیاد پر مسلمانوں میں فرقہ بندی نہ ہو۔ شیعہ مسلک میں خلافت کی بجائے امامت کا تصور ہے۔ ایران شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والا ملک ہے۔ علامہ اقبال نے ایران کے مفادات اور تحفظات کو مدنظر رکھتے ہوئے وسیع تر مسلم اتحاد کی بات کی۔

تہران ہو اگر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کہ اقوام عالم کی تقدیر بدل جائے

بنیادی طور پر علامہ اقبال مسلمانوں میں پائے جانے والے تمام تر لسانی اور فرقہ وارانہ اختلافات کے باوجود اس امر کے خواہاں تھے کہ ایک متحد مسلم دنیا کا وجود عمل میں آجائے تا کہ مسلمان ایک مضبوط اور بڑی طاقت بن کر ابھریں۔ وہ اسلام پسند تھے۔ ہمارے دشمن چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو قومی ریاستوں میں تقسیم کیا جائے پھر ان قومی ریاستوں کو نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ

تصورات میں توڑا جائے۔ وہ اس حکمت عملی سے امت مسلمہ کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کو ہمیشہ مسلمان غداروں ہی نے زد پہنچائی ہے کیونکہ جب اپنی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں تب ہی دشمن کو موقع ملتا ہے۔ جعفر از بنگال وصادق از دکن کے حوالے سے اقبال نے اپنے ایک شعر میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔فارسی میں کسی اور شاعر کا ایک مصرعہ ہے۔

''میہن فروختند وہ چہ ارزان فروختند''

یعنی انہوں نے ملک وملت کی آبرو بیچی تو کتنی سستی بیچی۔ہمیں ہماری صفوں میں موجود خرابیوں کو سمجھنا چاہیے کہ نادان دوست اور دانا دشمن کہاں کہاں ہیں۔

وہ مسلمان جو معتدل اور درست مذہبی مکتبہ فکر کے لوگ ہیں وہ کبھی ایک دوسرے پر کافر ہونے کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ وہ اس معاملے میں بہت محتاط رہتے ہیں،یعنی تکفیر کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا جائے۔مسلمانوں میں ایک سلفی ہیں جو سعودی عرب میں ہیں اور شیعہ ایران میں ہیں۔ان کے اندر جتنے بھی اختلافات ہیں وہ نظریاتی اور فکری طور پر ہو سکتے ہیں مگر جب کوئی مسئلہ ہو تو مصلحت سے آپس میں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔کچھ سلفی اور شیعہ اچھے ہیں اور کچھ سخت ہیں۔ یہ ہمارے اپنے اختلافات ہیں مگر اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ ایرانی اور سعودی ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے ایرانی عمرہ کرنے کے لیے آتے ہیں تو سعودی ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو ایک ہی قبرستان میں دفن کیے جاتے ہیں۔ان کے اندر دوسرے اختلافات بہت ہیں لیکن ایک مسلمان کو کافر کہنا ایک خطرناک کام ہے۔ ہمارے جتنے بھی دینی بزرگ گزرے ہیں وہ اس بات پر بڑے محتاط رہے ہیں کہ ایک مسلمان کو کافر نہ کہیں۔ تکفیر ایک خطرناک نظریہ ہے اس نظریے کو کفار اور صیہونیوں نے ہمارے خلاف یعنی مسلمانوں کے اندر اختلافات پیدا کرنے کیلئے ہوادی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی رہے۔

جس طرح آج مسلمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں اس میں براہ راست ان کا ہاتھ ہے اور

ہماری اپنی بھی کمزوریاں ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہی استعمال کر کے ہمارے اندر نظریاتی، لسانی اور فرقہ وارانہ بنیاد پر قوم کو تقسیم کیا ہے۔ اگر چہ اس وقت صورتحال زیادہ گھمبیر نہیں ہے مگر پھر بھی خطرہ بہر حال موجود ہے۔ امت کے لحاظ سے ہم بری طرح تقسیم ہو چکے ہیں لیکن صورتحال کو سنبھالا دیا جا سکتا ہے۔ ہمارے مکتبہ ءفکر کے لوگوں، ہمارے ذرائع ابلاغ اور حکومتوں کو خود کو ابھارنا ہوگا۔ ہم میں خرابیاں اندر سے آتی ہیں۔ اس لیے قوم مؤثر کردار ادا نہیں کر پائی۔ قیادتیں بٹ گئیں۔ علماء ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ میڈیا کمزور ہو گیا۔ یہی وہ بنیادی باتیں ہیں جن کو انہوں نے اپنا ہتھیار بنا کر امت کے اندر دراڑیں ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر ہمارے لوگ وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے رہے۔

مسلم دنیا میں اگر آپ دیکھیں تو آپ کو مختلف قسم کے مسلح گروپ نظر آئیں گے۔ بنیادی طور پر یہ دو طرح کے ہیں۔ ایک فرقہ وارانہ اور دوسرے سیاسی و مذہبی۔ سیاسی و مذہبی عسکریت پسندوں کے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو اپنے علاقوں کو دشمنوں سے خالی کروانا چاہتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو تکفیری ہیں اور دہشتگردی پھیلا رہے ہیں یعنی فرقہ وارانہ جتنے بھی گروہ ہیں وہ سارے کے سارے تکفیری ہیں۔

پاکستان بنیادی طور پر تکفیری گروہ کی کارروائیوں کا مرکز ہے۔ بیرونی حملے کے خلاف سیاسی و فوجی جدوجہد دوسری قسم کا تصور ہے۔ یہ بالکل جائز تصور ہے جیسے کشمیری جہادی گروہ ہیں یا عراقی گروہ، فلسطینی، چیچن، الجیریا، مصر اور افغانستان کے گروہ ہیں۔ طالبان جو افغان مجاہدین ہیں 80ء کی دہائی میں عروج پر آئے۔ یہ جائز تحاریک تھیں جو کہ اپنے اپنے ملکوں کو آزاد کروانے کے لیے اختیار کی گئیں۔ یہ سیاسی عسکری اسلام کا نظریہ ہے۔

ایرانی انقلاب بھی اس سلسلے کی کڑی تھی اور وہ اپنے مسلک کے لحاظ سے حق پر تھے۔ بدقسمتی سے سیاسی و مذہبی گروہوں میں سے ایک گروہ نے تکفیری راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے پاکستان اور دوسرے مسلمانوں کے خلاف نظریاتی اختلافات پیدا کر کے ان کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی

اوران کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ پاکستان کے اندر جواس وقت دہشت گردی کی مہم ہے یہ فرقہ وارانہ دہشت گردی نہیں بلکہ سیاسی دہشت گردی کی ایک کڑی ہے۔سیاسی مذہبی دہشت گردوہ ہیں جنہوں نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اختلاف کی وجہ سے ریاست اورعوام کے خلاف اعلان جنگ کردیاہے۔ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ مسلمانوں کوکھوکھلا کر کے پاکستان کی ریاست کوتباہ کیا جائے۔

قبضہ اور تقسیم امریکہ کا دونکاتی ایجنڈا ہے یعنی مسلمان ملک پر حملہ کیا جائے اوراسے تقسیم کیا جائے۔امریکہ نے افغانستان اورعراق کے علاوہ صومالیہ پر بھی حملہ کیا لیکن صومالیہ کا ذکر کوئی نہیں کرتا کیونکہ امریکہ نے اس پر ایتھوپیا کے ذریعے حملہ کروا کے قبضہ کیا۔عراق کو اگر ہم ایک مثال کے طور پر لیں تو امریکہ نے پہلے عراق پرحملہ کیا پھر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔بعد میں سازشیں کر کے وہاں فرقہ وارانہ فسادات کروا دیئے۔یعنی شیعہ اورسنیوں کے درمیان جھگڑا کروایا گیا۔شیعہ کوسنی اورسنی کوشیعہ پرحملہ کرنے کے لیے تیار کیا گیا۔عراق کے شیعہ اورسنی رہنماؤں نے فرقہ وارانہ فسادات روکنے کی بھرپورکوشش کی۔سب کواچھے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن کسی طرف سے تبدیلی نہیں آئی۔افغانستان میں انہوں نے تاجک، پختون، شیعہ ہزارہ جات اور طالبان کو آپس میں لڑا کراپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔بنیادی طور پران کی حکمت عملی کا مقصد یہی تھا۔ایران کے خلاف اگرآج وہ جوکچھ کررہے ہیں تواس کی وجہ یہ ہے کہ ایران اسرائیل کودھمکیاں دے رہاہےاورایران ایک ایٹمی قوت بننے کی کوشش کررہاہے۔مگر پاکستان کے خلاف وہ اس لیے ہیں کہ پاکستان الحمداللہ ایک ایٹمی قوت ہےاور پاکستان میں کسی بھی قوم کے ساتھ لڑنے کی طاقت موجود ہے۔مسلم دنیا کے اندرآپ دیکھیں توشیعہ اقلیت میں ہیں اورسنی اکثریت میں ہیں۔ایران کے پاس اس وقت نیوکلیئر ہتھیار نہیں ہیں اوروہ اس وقت اسرائیل کے لیے خطرہ بھی نہیں بنا ہوا ہے۔دونوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔امریکیوں کی یہ خواہش ہے کہ امت مسلمہ کو جب فرقہ وارانہ بنیادوں پرتوڑا جائے تواس میں شیعہ امریکی ساتھی کے طور پراپنا کردارادا کریں مگرایران یہ

نہیں چاہتا۔اب امریکی حکمت عملی یہ ہے کہ ہم کسی طرح امت مسلمہ میں جو چھوٹے گروہ ہیں ان کو اپنی طرف کرلیں تو مسلم امہ میں فساد ڈالنے میں آسانی رہے گی۔ایرانی اس مسئلے پر امریکہ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔عراق کے اندر ایرانیوں نے امریکی کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔عراق میں جنوب کے جتنے شیعہ علاقے ہیں وہاں اتنی بغاوت برپا نہیں ہے جتنی سنی علاقوں میں برپا ہے۔ایران یہ حکمت عملی دکھا رہا ہے اگر وہ امریکیوں کو بے وقوف بنا کر اپنا قومی مفاد حاصل کر سکتے ہیں تو پھر ہمیں ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ عراق کو ایک کارڈ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔اگر ایران پر امریکی حملہ ہوا تو وہ عراق اور افغانستان میں ان کے لیے مسائل پیدا کرینگے کیونکہ وہاں بہت بڑی تعداد میں شیعہ سکونت پذیر ہیں۔

سنی یا شیعہ، اسلام کسی بھی طرح امریکہ کو قبول نہیں کیونکہ دونوں امریکیوں اور صیہونیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔امریکہ کا جھکاؤ زیادہ تر اہل تشیع کی طرف ہے۔اس نظریے کے تحت وہ ایران کو سنی دنیا کے خلاف اپنا حلیف بھی رکھنا چاہتے ہیں۔لیکن ایران ان کے قابو میں نہیں آرہا۔وہ ایران پر حملہ کرنے کی دھمکی بھی دیتے ہیں لیکن جب ایران ان کی کمزوریوں کو استعمال کرتا ہے تو امریکی مجبور بھی ہو جاتے ہیں۔الغرض امریکہ ایرانیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔

انقلاب کے بعد ایران ایک ایسے ملک کے طور پر ابھرا جو امریکہ اور اسرائیل کے خلاف کھلم کھلا بول سکے۔اس سے قبل مسلم دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں تھا۔ایران عراق جنگ کو شیعہ سنی جنگ کا رنگ دے کر امریکہ اور مغربی ممالک نے مسلم امہ کو فرقوں میں تقسیم کرنے کی سازش کی۔یہ لمحہ فکریہ ہے کہ پوری مسلم امہ، سنی اور شیعہ نظریے کے تحت آپس میں تقسیم ہو گئی ہے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا جو نقصان ہوا آج تک اتنا نقصان کسی دشمن نے پوری مسلم امہ کو نہیں پہنچایا۔ زیادہ تر مسلم ممالک نے صدام کا ساتھ دیا اور ایران اکیلا ہو کر رہ گیا۔اس جنگ نے مسلمانوں کو لسانی، فرقہ وارانہ اور عرب وعجم کی صفوں میں تقسیم کر دیا۔اس وقت پاکستان نے بہت اچھا کردار ادا کیا۔ہمارے تعلقات دونوں کے ساتھ اچھے تھے۔سبھی ہماری بات مانتے تھے۔اس

وقت کی پاکستان حکومت نے بہت اچھا کردار ادا کیا۔لیکن اس جنگ کے منفی اثرات جو پاکستان پر پڑے اس سے پاکستان میں عسکریت پسند اور سیاسی اسلامی گروپ پیدا ہوئے۔

افغان جہاد فرقہ وارانہ تفریق سے بالاتر تھا۔ یہ ایک درست جہادی تحریک تھی۔اس وقت امریکی پالیسی یہ تھی کہ افغان مجاہدین کی مدد کرنی ہے کیونکہ اس وقت افغان روس کے خلاف لڑ رہے تھے اور امریکہ روس کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔

یہ جنگ پاکستان بھی لڑ رہا تھا کیونکہ ہم مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے۔امریکہ روس سے دشمنی کی بناء پر اس جنگ میں شامل ہوا۔ایرانی انقلاب نے اس علاقے کے اندر ایک تحریک پیدا کر دی۔پھر افغان جہاد نے بھی وہی کام کیا جس کی وجہ سے عالمی مسلم تحریکیں چاہے وہ شیعہ تھیں یا سنی، پھر سے زندہ ہوگئیں۔ان تحریکوں نے مسلمانوں کے اندر نئی روح پھونکی لیکن ایران عراق جنگ نے امت مسلمہ کو تقسیم کر دیا۔ایرانیوں نے اپنے مفادات پوری دنیا میں محفوظ کرنا شروع کیے جبکہ عربوں نے ایرانیوں کے خلاف کام کا آغاز کر دیا۔اور اس طرح امت میں ایک فساد برپا ہوگیا۔یوں مسلم امہ کو جتنا فائدہ افغان جہاد اور ایرانی انقلاب سے ہوا اتنا ہی نقصان ایران عراق جنگ سے بھی ہوا۔

امریکہ نے افغان جنگ میں سنی سیاسی اسلام کی مدد کی پھر اچانک ان کے خلاف ہوگیا کیونکہ افغان جہاد کے کچھ نتائج ایسے تھے جو امریکی اور یہودی نہیں سمجھ پائے۔ان کا مقصد صرف روس کو تباہ کرنا تھا افغان جنگ کے بعد امریکی اس علاقے کو یکسر بھول گئے۔

ایشیا وسطی اور مشرقی یورپ بھی آزاد ہوا۔برلن کی دیوار گر گئی۔اس دوران امریکیوں کی توجہ صرف اور صرف ان تبدیلیوں کی طرف رہی۔افغانستان کو وہ بھول چکے تھے۔افغانستان میں اب ان کا کوئی مفاد نہیں رہا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ مقامی جہادی تحریکیں ہیں جن سے باقی دنیا کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔لیکن انڈونیشیا سے لے کر شمالی افریقہ تک ہزاروں مسلم تحریکیں جو جہاد کرنے کے لیے افغانستان پہنچیں، تو ان کے اثرات کشمیریوں، فلسطینیوں اور چیچین مزاحمت، الجیریا کی مسلم

تحریک، مصر کے اخوان المسلمون اور ترک اسلامک پارٹی پر واضح نظر آتے ہیں۔ یہ ایک عجیب تبدیلی تھی جو ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ روس کی شکست کے بعد مسلمانوں کے اندر جو نیا جذبہ بیدار ہوا تھا اور جو نیا ولولہ پیدا ہوا تھا وہ ان کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں پر بھی مسلمان غاصبوں کے زیر اثر تھے، وہ وہاں جنگ آزادی کا اعلان کر رہے تھے۔ بھارت، روس، اسرائیل اور امریکہ کے خلاف کھلم کھلا جہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ واقعات امریکیوں کو حیران کن حد تک پریشان کر رہے تھے۔ امریکی سمجھ رہے تھے کہ ہم شیعہ اور سنی فساد برپا کر کے مسلم دنیا کو تقسیم کر دینگے۔ لیکن شیعہ اسلام بھی اپنی جگہ موجود ہے اور سنی بھی امریکہ کے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ یوں امریکی ہر طرف سے مسائل میں پھنس گئے ہیں۔

یہودی دنیائے اسلام پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرتے جا رہے ہیں۔ نائن الیون کے بعد امریکہ نے جس طرح دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر معصوم انسانوں اور بالخصوص نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے یہ سب یہودیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ یہودی مسلمانوں کے خلاف امریکہ کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی حکمت عملی کا اہم ترین پہلو اسلام کی سیاسی اور عسکری قوتوں کو شکست دینا ہے۔ اسلام خواہ کسی بھی ہیت میں ہو، چاہے وہ شیعہ سیاسی اسلام ہو یا سنی سیاسی اسلام، مسلمانوں کے اتحاد اور سیاسی قوتوں کے گمان سے ہی اہل امریکہ کو خوف آتا ہے۔ مثلاً مسلمانوں کی عظیم مسلم ریاست و خلافت یا اتحاد بین المسلمین کے نظریات و مقاصد سے امریکہ دہشت زدہ ہے۔ یہودی و نصاریٰ نے مسلمانوں کے ان تمام انقلابی نظریات پر قابو پانے کا حل یہ نکالا ہے کہ مسلمان امت کے درمیان اختلافات پیدا کر دیئے جائیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے امریکہ مسلمانوں کو فرقہ وارانہ، نسلی، لسانی اور ریاستی فساد میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ مسلمانوں کے درمیان فساد ڈالنے کی غرض سے یہودی و نصاریٰ نے مسلمانوں کے درمیان شیعہ اور سنی اختلافات کو بہت ہوا دی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے پچھلے کئی سالوں میں کافی اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں۔ تاریخی

اعتبار سے 1979ء مسلمانوں کے لیے بڑا انقلابی دور تھا۔ 1979ء میں جو واقعات رونما ہوئے وہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ افغانستان پر روس کا حملہ بھی اسی عرصے میں ہوا۔ موجودہ روس اور سابقہ سوویت یونین کا دارالحکومت ماسکو شروع میں ایک علیحدہ ریاست کا درجہ رکھتا تھا۔ پچھلے 400 برس یعنی پیٹر ڈی گریٹ کے زمانے سے ماسکو کی یہ ریاست آہستہ آہستہ پھیلتی جارہی تھی۔ تاریخی

اعتبار سے وہ پہلے چین اور یورپ کی جانب بڑھتی رہی۔ بعد میں ماسکو کی یہی ریاست وسطی ایشیا کی جانب پھیلی اور وسطی ایشیا میں تمام مسلم ممالک کے زوال کا باعث بنی۔ انیسویں صدی میں (1850,60,70ء) میں سمرقند، بخارہ، تاجکستان، ازبکستان وغیرہ پر قبضہ بھی اسی ماسکو کی حکومت نے کیا۔ روس پچھلے 250 سال سے مسلم علاقوں کو ہڑپ کر رہا تھا۔ ماسکو کی یہ ریاست اب رقبے کے لحاظ سے دنیا کے وسیع ترین ممالک میں سے تھی۔ اپنے ان مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر سوویت یونین نے 1979ء میں افغانستان پر حملہ کر دیا جس کے بعد ان کا پاکستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ تھا۔ افغان مجاہدین نے

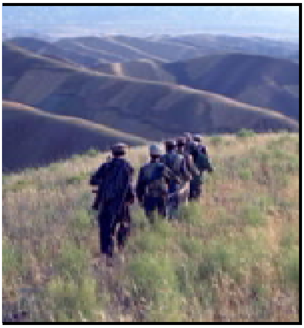

روسی مزاحمت کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ افغان عوام نے یہ جنگ گویا سروں پر کفن باندھ کر لڑی۔ افغانستان کی ڈیڑھ سے پونے دو کروڑ کی آبادی میں سے 40 سے 50 لاکھ ہجرت کر کے پاکستان اور ایران آ گئے۔ دس سال جاری رہنے والی خونریزی میں کم از کم 20 لاکھ افغان مجاہدین شہید ہوئے۔ یہ جنگ کسی بھی اعتبار سے برابری کی بنیاد پر نہیں تھی۔ ایک طرف ایٹمی ہتھیار بنانے والی عظیم طاقت سوویت یونین تھی اور دوسری جانب نہتے افغان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان نہتے افغانوں کی پاکستان اور پوری مسلم دنیا نے حمایت کی۔ اس وقت مسلم دنیا میں ایک

عجیب نظریہ تھا کہ اکثر مسلمان حکومتیں امریکہ کی حامی تھیں۔ دوسری جانب امریکہ نے بھی اس جنگ میں مسلمان تحریکوں اور سرگرمیوں کی پوری حمایت کی۔ سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد میں حصہ لینے کے لیے تمام دنیا سے مسلمان افغانستان میں اکٹھے ہوگئے تھے۔ ان سب کی زبانیں اور رہن سہن ایک دوسرے سے مختلف تھا مگر ان سب کا مقصد ایک تھا، یعنی سوویت یونین کو افغانستان سے نکالنا اور افغانستان کی مسلمان ریاست کو آزاد کروانا۔ 1979ء میں سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا اور 1989ء میں سوویت یونین شکست کھا کر افغانستان سے نکل گیا۔ یہ وہ تاریخی لمحہ تھا جب مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا سے بھی سوویت یونین پیچھے ہٹنے لگا تھا اور وہ مسلمان علاقے جن پر سوویت پچھلے 200 سال سے قابض تھے ایک ایک کر کے آزاد ہونا شروع ہوگئے۔ جہاد کا وہ نظریہ جو افغان مجاہدین نے شروع کیا، پورے وسطی ایشیا میں سرائیت کر گیا اور اس کی آزادی کا سبب بنا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں پر تاجکستان میں برپا ہونے والے انقلاب کا سبب افغان مجاہدین کی مزاحمتی تحریک تھی وہاں حکیم الامت علامہ محمد اقبال کے اشعار نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا۔ اقبال کے اشعار کو تاجکستان میں لاکھوں لوگ پڑھتے ہیں۔ انہی سے متاثر ہو کر تاجکستان کے لوگوں نے سوویت حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

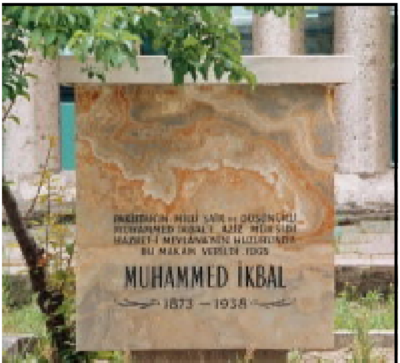

اقبال نے قوم کو پیغام دیا کہ اٹھو اور بیدار ہو جاؤ، غلامی کی زندگی کو ترک کرو اور آزادی کی خاطر کوشش کرو۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ترکی میں بھی اقبال کی ایک قبر موجود ہے۔ اقبال لاہور میں بھی مدفون ہیں اور ''قونیہ'' میں جلال الدین رومی کے مزار کے قدموں میں بھی اقبال کی ایک

قبر موجود ہے۔اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو عزت اقبال کو مسلم دنیا میں ملی وہ ان کے نظریات کے باعث ہے۔ان کے نظریات آج بھی دنیا میں انقلاب برپا کررہے ہیں۔افغان مزاحمتی تحریک کی کامیابی دراصل کئی صدیوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے ایک مزاحمتی تحریک میں مکمل کامیابی حاصل کی تھی۔ان مزاحمتی تحریکوں کے باعث قریباً 20 کروڑ انسانی جانیں ظلم وستم سے آزاد ہوئیں۔عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے جب افغانستان کی مدد کی تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں ہتھیار آگئے اور مہاجرین کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔مگر تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت معمولی باتیں ہیں۔جب قوموں کے عروج وزوال کا ذکر آتا ہے تو بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہوتے ہیں جن پر کتابیں لکھی جاتی ہیں جن سے تاریخ مرتب ہوتی ہے۔افغان جہاد بھی ایک ایسا ہی واقعہ تھا جس میں پوری مسلم دنیا حصہ لے رہی تھی۔

سوویت جنگ میں امریکیوں کا کردار بہت کم تھا مگر اس کا پروپیگنڈا بہت زیادہ کیا گیا۔امریکہ کی جانب سے طیارہ شکن میزائل ٹیکنالوجی آئی لیکن افغانستان میں ایک بھی امریکی نہیں مارا گیا۔تمام تر کوششیں مسلمانوں ہی کی تھیں۔مسلمانوں کا خون بہا۔مغربی مفاد تو صرف اتنا تھا کہ سرد جنگ کے دور میں سوویت یونین کو قابض شدہ علاقوں سے نکالا جائے۔بیک وقت تمام مسلم دنیا اور ان کے مفادات ایک نقطے پر آکر مل رہے تھے۔افغان جہاد میں تمام کے تمام رضا کار تھے اور

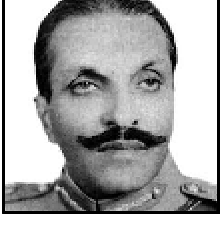

مسلمان تحاریک کے کم از کم چالیس ہزار شہداء تھے جو پوری دنیا سے اڈکر آئے تھے۔تمام مسلمان تحریکوں نے اپنے نمائندے یہاں پر بھیجے۔پس یہ افغان مزاحمت تھی جس نے مسلمانوں کو متحد کیا۔ یہ بات صیہونیوں اور مغربی دنیا کے لیے غیر متوقع تھی اور اہل مغرب یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی ایسی تحریک بھی وجود میں آسکتی ہے جس کے باعث مسلمان یکجا ہوجائیں گے۔اب جو پاکستان کہتا ہے کہ ہمارے لیے نئے مسائل نے جنم لیا ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستان نے بھی بعد میں ان معاملات کو نہیں سنبھالا ہماری بدقسمتی تھی کہ ان سارے

معاملات کو سنبھالنے سے پہلے ہی جنرل محمد ضیاء الحق طیارے کو حادثہ پیش آ گیا۔

ڈاکٹر عبداللہ عظام کو پشاور میں ایک بم دھماکے میں شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ جب روسی اس علاقے سے نکل گئے تو مغربی دنیا کے مفاد بھی یہاں سے ختم ہو گئے۔ یوں افغان جہاد کے فوراً بعد باقی مسلمان دنیا بھی بکھر گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلم دنیا کو افغانستان سے سخت مایوسی ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ افغان جہاد کے باعث دوسری بہت سی جہادی تنظیمیں اور مزاحمت کار گروہ وجود میں آئے۔ ان میں سے ایک فلپائن کا مزاحمت کار گروہ ابوسیاف بھی ہے۔ یہ نام استاد ابوسیاف کے نام پر رکھا گیا جنہوں نے افغان جہاد میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ 1984ء میں یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کو غلام کہا جاتا تھا اور کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ 1995ء اور 1996ء کے درمیان بوسنیا اور یوگوسلاویا کی جنگ ہوگی اور یہی مسلمان وہاں پر مزاحمت کریں گے۔ 1989ء میں جب افغانستان سے سوویت یونین کا انخلا ہوا تو اسی زمانے میں کشمیر، چیچنیا، الجیریا، فلسطین میں بھی مسلمانوں کی طرف سے مزاحمتی تحریکیں وجود میں آئیں۔ ان تمام مزاحمتی تحریکوں کا وجود میں آنا بلاشبہ افغان جہاد کے باعث تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب افغانستان سے سنی جہاد کا آغاز ہوا اور دنیا میں پہلی مرتبہ نظریہ جہاد کو جائز قرار دیا گیا۔ جب مسلمان ملکوں پر قبضہ ہوتا ہے اور 15 سے 20 لاکھ مسلمان شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ 50 لاکھ کو نکال دیا جاتا ہے تو پھر مزاحمت ہوتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سفارت کاری کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لیکن مسلمانوں کی اصطلاح میں مجاہدین اور جہاد کا تصور مختلف ہے۔ یہ ہمارے دین اور ایمان کا حصہ ہے جو مسلمانوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مگر اس میں اہم بات یہ ہے کہ جہاد کن حالات اور کس صورتحال میں کیا جاتا ہے تاکہ جہاد اور فساد میں فرق نمایاں ہو۔

مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ ایک عظیم طاقت رہی ہے مگر مسلمانوں کی اس عظیم طاقت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنے کے ذمہ دار خود مسلمان ہیں۔ یہ ایک نا قابل فراموش المیہ ہے۔ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کو نقصان پہنچاتے رہے تھے۔ یہ نہایت تکلیف دہ مرحلہ تھا کہ مسلمانوں کی اس عظیم ریاست کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ متعدد یورپی ممالک مسلمانوں کے خون پر بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں ہی کی وجہ سے ان یورپی ممالک کا قیام عمل میں آیا اور یہ بڑے دکھ کی بات تھی کہ تمام عالم اسلام میں کسی کو سیاسی نظریے کا تصور نہیں تھا۔ یہی وقت تھا کہ جب علامہ اقبال کی شاعری نے قوم میں ایک ولولہ پیدا کرنا شروع کیا۔ نہ صرف پاکستان بنانے کا تصور پیش کیا بلکہ انہیں اختلافات کے باوجود بھی یکجا رہنے کی تلقین کی۔ 60,50 اور 70ء کی دہائیوں میں عرب دنیا میں شکست اور خاص طور پر خلافت عثمانیہ کی

سید قطب شہید

تباہی کے بعد مسلمانوں پر سخت مشکلات آئیں۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں کچھ ایسے مفکرین نے جنم لیا جنہوں نے پولیٹیکل اسلام (سیاسی اسلام) کا تصور دینا شروع کیا۔ جب مسلمان سلطنتیں ٹوٹیں تو مسلمانوں کو سوشلزم، کیپٹلزم، کمیونزم، فوجی آمریت اور بادشاہتوں کی طرف دھکیل دیا اور نتیجتاً مسلمان اسلام سے دور ہوتے چلے گئے۔ شروع میں اخوان المسلمون کے نام سے عربوں کی ایک جماعت بنائی گئی جس کی بنیاد مسلم بھائی چارے پر قائم کی گئی۔ حسن البنی اس کے سربراہ تھے۔ اس کے سیاسی مفکر اور فلاسفر سید قطب، اس وقت مسلمانوں

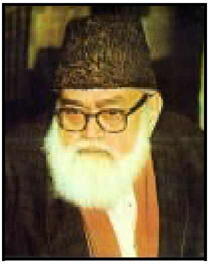

کے بہت بڑے سیاسی مسلم مفکر تھے جو عرب دنیا میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور کتابوں میں سے ایک قرآن کی تفسیر بھی ہے۔ ’’قرآن کے سائے تلے، فی ظلال القرآن‘‘ (In the shadow of Quran) اور دوسری ’’معالم فی طریق‘‘ (Maalam Fittareek) جس کا اردو میں ترجمہ جادہ ومنزل کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں انہوں نے پولیٹیکل اسلام کا ایک تصور

بیان کیا ہے۔ پاکستان اور انڈیا میں اس وقت یہ تصور مولانا مودودی کی طرف سے پیش کیا جارہا تھا۔ 1960ء کی دہائی میں جمال الناصر نے سید قطب کو مسلمانوں میں سیاسی ولولہ اجاگر کرنے کی پاداش میں پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ گویا اس وقت ظلم کی یہ انتہا تھی کہ سیاسی افکار کی بات کرنا بھی جرم تھا۔ مگر اس کے باوجود سیاسی اسلام کی طرف مسلمانوں کا نظریہ یکجا تھا اور عرب ممالک میں تمام تر سختی کے باوجود اخوان المسلمون وجود میں آئی۔ 1970ء کی دہائی تک عرب دنیا سیاسی اسلام کے افکار سے محروم رہی۔ اخوان المسلمون نے کافی سختیاں برداشت کیں مگر پھر بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ لوگوں کے دلوں کو اسلام کی جانب مائل کرتے رہے مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنی اپنی ریاستوں کے خلاف بغاوت یا اعلان جہاد نہیں کیا۔ یہ 1979ء کا وقت تھا کہ جب ان کو افغان جہاد نظر آیا اور وہ ایک عظیم گروہ بن کر افغانستان آئے اور سیاسی اسلام کو عملی جامہ پہنانے میں کوشاں ہو گئے۔ سنی سیاسی اسلام نے افغانستان میں پرورش پائی۔ روس کے حامی ممالک عراق، شام، لیبیا اور دوسرے بہت سے ممالک نے اس کی مخالفت کی۔ حکومت پاکستان نے اس لیے ان کی مدد کی کہ وہ امریکہ کے ساتھ تھے اور بہت سی حکومتیں ایسی تھیں جو سوشلسٹ نظریے پر قائم تھیں۔ یاسر عرفات افغان جہاد کے سخت مخالف تھے۔ فلسطین میں حماس ایک اسلامی گروہ ہے۔ حماس اور الفتح کی جنگ بھی ہوئی۔ ان تمام جھگڑوں کی وجوہات یہ ہیں کہ حماس نظریاتی طور پر افغان جہاد سے متحرک ہوئی اور پی ایل او کی سوچ حماس سے متصادم ہے۔

اسی طرح ایران میں انقلاب برپا ہونا کوئی تاریخی اتفاق نہیں تھا۔ دیگر عظیم قوموں کے عروج و زوال کی طرح کئی دہائیوں کی کوشش کے بعد اس زمانے میں ایران میں ایک شیعہ اسلامی انقلاب آیا۔ شیعہ سیاسی اسلام جو ایرانی انقلاب سے پروان چڑھا بالکل سنی سیاسی اسلام کی طرح تھا۔ اور یہ انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس میں آیت اللہ خمینیؒ نے بہت اہم کردار ادا کیا اور ان کی برسوں کی محنت کا ثمر انقلاب ایران کی صورت میں سامنے آیا۔ بیک وقت شیعہ اور سنی سیاسی طاقتوں کے پروان چڑھنے سے اہل مغرب چونک اٹھے۔

1979ء میں جب ایرانی انقلاب آیا تو جہاں جہاں دنیا میں شیعہ تھے وہ ایرانی انقلاب میں فعال ہو گئے اور سنی جہادی تحریکیں افغانستان کا رخ کر گئیں۔ ایرانی انقلاب ایک ایسا انقلاب تھا جس کے ذریعے ایران میں عظیم تبدیلی آئی۔ ایران، شاہِ ایران کے زمانے میں امریکہ کا سب سے بڑا وفادار اور اتحادی تھا جو انقلابِ ایران کے نتیجے میں امریکہ کا خطرناک دشمن بن گیا۔ انقلاب ایران سے اہل مغرب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ ان کے لیے ناقابل تصور حقیقت تھی۔ یہ وہ لمحات تھے جب سنی مسلمان دنیا بھر سے ایک مشترک مقصد کی تکمیل کے لیے جوق در جوق افغانستان میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ ان کے مشترکہ مقاصد میں افغانستان میں اسلامی انقلاب لانا، سوویت یونین کے خلاف اعلان جہاد کرنا اور اسلام کا نام اونچا کرنا شامل تھا۔ ان مقاصد میں مسلم ریاستی حکومتوں نے بھی مجاہدین کی خوب امداد کی کیونکہ یہ مزاحمت کار خود اپنی حکومتوں کو بھی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے مسلم حکومتوں نے ایسے تمام لوگوں کو جہاد میں شرکت کے لیے افغانستان روانہ کر دیا جہاں سے ان کی واپسی مشکل ہو جائے اور درحقیقت یہی جہادی بعد میں لبنان، خلیج، بحرین اور لیبیا وغیرہ میں مزاحمت کا باعث بنے۔ مگر شیعہ سنی فسادا ایران عراق جنگ کے نتیجے میں شروع ہوا۔ اس وقت تک شیعہ سنی فسادات کا کوئی تصور نہیں تھا، دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ لیکن ایران عراق جنگ نے اس رخ کو تبدیل کر دیا۔

ایران عراق جنگ کو سمجھنا نہایت اہم ہے کیونکہ ایران نے عراق پر حملہ نہیں کیا تھا۔ حملہ تو عراق نے ایران پر کیا تھا لیکن اس میں اس کی ذاتی مرضی شامل نہیں تھی۔ پس پردہ یہ سب امریکی پلان تھا۔ انقلابِ ایران کے باعث بعض حکومتوں بشمول امریکہ کو سخت خدشات لاحق تھے۔ ایک طرف عربوں کی بادشاہتوں کو خطرہ تھا۔ اور دوسری جانب ایران امریکہ کے بڑے دشمنوں میں شامل ہو گیا۔ پہلا حملہ عراق کی طرف سے امریکہ کے حامیوں نے ایران پر کیا اور امت محمدیؐ کو بہت نقصان پہنچایا۔ یعنی ملکی سطح پر جنگ نہیں ہوئی بلکہ عربی، عجمی اور سنی شیعہ کی سطح پر جنگ ہوئی اور بدقسمتی سے اس کے براہ راست نتائج پاکستان کو بھگتنے پڑے۔ پاکستان میں دہشت گردی افغان

جہاد، مجاہدین یا مسلم گروہوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ''خاد'' اور '' کے جی بی'' KGB کی طرف سے تھی اور تمام ہندوستانی ذرائع دہشت گردی کا باعث بن رہے تھے۔ دوسری طرف ایران نے بھی پاکستان میں موجود اپنے تمام وسائل کو متحرک کرنا شروع کر دیا۔ ان کے بہت مضبوط اثاثے گلگت، پاراچنار، کوئٹہ اور بلوچستان کے مختلف علاقوں میں سرگرم عمل تھے۔ دوسری طرف وہ عرب جو ایران کو روکنا چاہ رہے تھے انہوں نے بھی پاکستان میں اپنے اثاثے متحرک کیے۔ عرب ممالک کے سربراہان بشمول عراق کے صدام حسین نے جو ایران سے خوف کھاتے تھے، لاکھوں کروڑوں ڈالر پاکستان میں لگائے۔ جس طرح ایران حکومت یہاں پر اپنے گروہوں پر خرچ کر رہی تھی اُسی طرح عرب حکومتوں نے یہاں پر خرچ کرنا شروع کیا۔ یہی وہ دور تھا جب پہلی دفعہ پاکستان میں فرقہ وارانہ سطح پر تکفیر کا تصور پیدا ہوا اور بدقسمتی سے یہ کامیابی سے ہمکنار رہا۔ بدنصیبی اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ایرانی حکومتیں اور عرب حکومتیں اس کی افزائش میں شامل تھیں۔ اِس طرح سنی علماء نے شیعہ علماء کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا اور دونوں گروہوں نے چھوٹے چھوٹے شدت پسند گروپوں کی حمایت کرنا شروع کر دی جنہوں نے آپس میں خونریز فسادات کیے۔ اگر غور کیا جائے تو تمام فرقہ وارانہ عسکریت پسند 84-1983ء کی پیداوار ہیں۔

پاکستان نے دراصل ایرانیوں اور عربوں سے دوستی کی سزا پائی ہے۔ پاکستان کے ایران اور عربوں سے بہت برادرانہ تعلقات تھے جس کی بناء پر پاکستان بیچ میں پھنس کر رہ گیا۔ ظاہر ہے پاکستان کی پالیسی کے مطابق نہ ایران پر سختی کی جا سکتی تھی اور نہ عربوں پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے اپنی ''جنگ'' (Proxy War) پاکستان میں لڑی۔ یعنی عربوں اور ایران کی شیعہ سنی جنگ کا میدان زار پاکستان بنا۔ پاکستان کے تمام عسکریت پسند گروہ اسی دور میں وجود میں آئے۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے مسائل کو ہوا دی اور یوں پاکستان میں فرقہ وارانہ

عسکریت پسندی کا آغاز ہوا۔

پاکستان میں جھنگ کے علاقے کی تمام اعلیٰ جماعتیں اور جاگیردار شیعہ ہیں۔ان کے تحت کام کرنے والا طبقہ سنی ہے۔لیکن جو نیا طبقہ وہاں زور پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اس میں ملا بھی تھے، تاجر بھی تھے اور کاروباری لوگ بھی تھے۔ان لوگوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے فرقہ واریت کا سہارا لیا۔بدقسمتی سے یہ ایک علاقائی عنصر تھا جو بعد میں بگڑ کر فرقہ وارانہ فسادات کا باعث بنا۔نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً جتنے بھی گروہ پاکستان میں بنے ہیں ان کا آغاز جھنگ سے ہوا ہے۔ پاکستان کے فرقہ وارانہ گروہ، ''سپاہ صحابہ'' اور ''لشکر جھنگوی'' بھی جھنگ سے اٹھے ہیں۔ ان کے مقابلے میں شیعوں نے عسکریت پسند گروہ بنائے۔''سپاہ محمدؐ'' کے نام سے انہوں نے بھی ایک گروہ بنایا۔ بہرکیف ان دونوں گروہوں کی خونریزی کے باوجود شیعہ سنی فرقوں میں علاقائی تقسیم نہیں کی گئی جیسا کہ آئرلینڈ کے کیتھولک اور پروٹیسٹینٹ فسادات میں علاقائی تقسیم عمل میں آئی تھی۔

پاکستان میں لڑائی چھوٹے چھوٹے گروہوں کے درمیان ہے۔یعنی سپاہ صحابہ، لشکر جھنگوی اور سپاہ محمد جیسے چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں جو لڑتے ہیں جبکہ عمومی سطح پر ایسے مسائل نہیں ہیں۔ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں کئی مذہبی جماعتیں ہیں۔علاوہ ازیں متعدد مذہبی سیاسی جماعتیں بھی ہیں۔ان میں سے کوئی بھی مذہبی سیاسی جماعت دہشت گرد نہیں ہے۔

مذہبی سیاسی دہشت گرد جماعتیں ان سے بالکل مختلف ہیں۔پاکستان نے ان پر پابندی عائد کی ہوئی ہے۔

بہت سی ایسی مذہبی سیاسی جماعتیں بھی ہیں جو نہ تو خود دہشت گرد تھیں اور نہ دہشت گردوں کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔انہوں نے دہشت گردی کے خلاف آواز بلند کی لیکن انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔مگر پاکستان میں کئی مذہبی جماعتیں خود فرقہ وارانہ فسادات میں مبتلا ہیں جو ایک قابل افسوس امر ہے۔ہمارے ہاں فرقہ وارانہ دہشت گردی کو ختم کرنے کیلئے اخلاقی اقدار نہیں ہیں۔ہر کوئی اپنے مفادات کی جنگ لڑتا دکھائی دیتا ہے۔مسلمانوں کی نمائندگی کوئی نہیں کر رہا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تم مسلمان بھی ہو

گویا علامہ اقبال کو بھی مسلمانوں کی اخلاقی اقدار دم توڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ تمام دہشت گرد تنظیمیں خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتی ہوں، کے اندر سے دہشت گردی کا عنصر ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی اٹل ہے کہ سیاسی جماعتیں جو فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم ہوئی ہیں وہ دہشت گردی ختم نہیں کر سکتیں۔ بہت سے مسلمان گروہ فساد برپا کیے ہوئے ہیں۔ اب تو جہاد اور فساد میں فرق بھی واضح نہیں ہے۔

جہاد اور دہشت گردی کی سلیس تعریف یہ ہے کہ اگر افغانستان کے اندر طالبان مزاحمت کر رہے ہیں تو یہ جائز ہے اور یہی جہاد ہے اور اگر پاکستان کے اندر کوئی ان کے نام پر کارروائی کر رہا ہے اور عوام کو قتل کر رہا ہے، پاکستان کی حکومت کو تباہ کرنے کے درپے ہے یا پاکستان کے اندر بغاوت پیدا کر رہا ہے تو یہ دہشت گردی ہے۔ پوری مسلمان حکومتیں اور مسلم تحریکیں اس بات پر اتفاق کرتی ہیں کہ پاکستان میں اس قسم کی کارروائیاں جہاد نہیں دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہیں۔ ہم شریعت نافذ نہیں کر سکے اور معاشی نظام کو قائم کرنے میں ناکام رہے مگر اس کا علاج یہ نہیں کہ کمزور مسلمانوں کو بم سے اڑا دیا جائے۔ بڑی بڑی مسلمان تحریکوں، جن میں مصر کی ''اخوان المسلمون'' بھی ہے نے کبھی بھی تکفیر کا رستہ اختیار نہیں کیا۔ وہ لوگ سیاسی عمل میں حصہ لیتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ اتنے مضبوط ہو جاتے ہیں کہ انتخابات کے بعد حکومت بنانے کے اہل ہوتے ہیں۔ یہ کام جلدی میں نہیں ہوتے اس میں وقت لگتا ہے۔ جس طرح کمیونسٹ نظام اور سوشلسٹ نظام

میں فرق ہے۔سوشلزم کا ایک ایسا نظام ہوتا ہے کہ جس پر آپ کام کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کمیونسٹ تصور کی طرف جاتے ہیں لیکن کمیونسٹ وہ ہیں جو اس سارے عمل کو چھوڑ کر راتوں رات ایک خونی انقلاب برپا کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اس دعوت و تبلیغ ،سماجی فلاح و بہبود اور معاشی انصاف کے طویل اور مؤثر طریقے کے بجائے دہشت گردی سے اسلام لانا چاہتے ہیں۔بعض طبقات انتہا پسندی کے ذریعے انقلاب برپا کر کے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔اس طرح یہ دہشت گرد گروہ بن جاتے ہیں۔ یہ کوئی بھی ہوں، کسی نام سے بھی آئیں، وہ اگر کسی مسلمان ملک کے اندر مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں تو یہ دہشت گرد ہیں چاہے وہ اسلام کے نام پر ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ اگر کشمیر کے اندر یا افغانستان کے اندر مسلمان ممالک کو آزاد کرانے کے لیے کر رہے ہوں تو یہ جائز ہے کیونکہ پھر یہ مزاحمت ایک عظیم مقصد کا روپ دھار لیتی ہے۔اگر آپ پاکستان کو تباہ کرتے ہیں یا پاکستان پر حملہ کرتے ہیں تو یہی منشور ہندوستانی صیہونیوں، عیسائی صیہونیوں اور یہودی صیہونیوں کا بھی ہے ۔پھر یہ جہادی کس کا مقصد پورا کرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں؟ یہ تو مسلمان امت کو نقصان پہنچانے والی بات ہے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ دہشت گردی ہے جو پاکستان میں ہو رہی ہے۔ پاکستان میں کئی طرح کا تشدد موجود ہے جس کو سمجھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ ہمارے ہاں صرف فرقہ وارانہ تشدد نہیں ہے بلکہ مختلف اقسام کے تشدد پائے جاتے ہیں۔

پاکستان میں متعدد مذہبی جماعتیں ایسی ہیں جو تخریبی کارروائیوں میں ملوث نہیں ہیں۔ یہاں سینکڑوں اسلامی مدرسے، اسلامی جماعتیں اور تحریکیں ہیں۔ وہ دعوت اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ طالب علموں کو دیگر علوم بھی پڑھا رہے ہیں۔ بچوں کو سماجی فلاح و بہبود میں تعلیم دیتے ہیں۔ مدرسوں کا نظام بہت اعلیٰ ہے۔ ان میں سے کوئی دہشت گردی میں مجموعی اور عمومی طور پر ملوث نہیں ہے۔ ہمارے ہاں دیوبندی، بریلوی، اہل تصوف، فقہ جعفریہ، اہل حدیث سمیت مختلف مسالک ہیں جو پاکستان میں چل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی دہشت گردی کی طرف مائل

نہیں ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں ان کا تعلق دیو بندی، سپاہ صحابہ یا شیعہ فقہ کی سپاہ محمد جیسے عسکریت پسند گروہوں سے ہے۔ مجموعی طور پر دیو بندی یا شیعہ فرقہ عسکریت پسندی اور تشدد کی نفی کرتا ہے۔ بعض گروہ مثلاً بریلوی اور اہل حدیث وغیرہ میں بھی عسکریت پسندی کم ہے۔ اہلحدیث میں تھوڑی سی عسکریت پسندی ہے لیکن اس پر کافی حد تک قابو پا لیا گیا ہے۔ پس تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس کا سلسلہ تمام مکتبہء فکر میں مشترک ہے۔ لیکن ان سے کوئی بھی دہشتگردی میں ملوث نہیں۔

سیاسی و مذہبی جماعتیں بالعموم فرقہ وارانہ بنیادوں پر اپنے آپ کو تقسیم کیے ہوئے ہیں۔ تیسری طرح کی جو عسکریت پسندی یہاں پر ہو رہی ہے وہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں جو لڑ رہے ہیں۔ دیو بندی یا شیعہ مکتبہ فکر میں بھی کوئی عسکریت پسند نہیں ہیں۔ یہ وہ چھوٹے چھوٹے عناصر ہیں جو پوری مسلمان امت کو بدنام کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر پورے

پاکستان کے پاس رضا کار جہادی ہیں جو پاکستان کے اندر بالکل فسادات نہیں کرنا چاہتے لیکن ان کا مقصد افغانستان یا کشمیر میں ان کی تحریک آزادی کی حمایت کرنا ہے۔ پانچواں گروہ جو ہمارے پاس ہے یہ سیاسی تکفیری گروہ ہے۔ جس نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اختلافات کی بناء پر پاکستانی ریاست کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ یہ دونوں گروہ فرقہ وارانہ دہشت گردی اور سیاسی تکفیر جیسے مسائل پیدا کرنے میں ملوث ہیں۔ ان مسائل کو پیدا کرنے والے گروہ کی آڑ میں دو اور گروہ ہیں جو پاکستان میں دہشت گردی کرتے ہیں۔ ایک متعصب قوم پرست عنصر ہے جو بلوچستان کی آزادی حاصل کرنے والی نام نہاد فوج پر مشتمل ہے۔ ان کی جانب سے کی گئی کارروائیوں سے اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ فرقہ پرست دہشت گردوں، سیاسی عسکریت پسندوں یا پھر متعصب قوم پرستوں نے کیا ہے۔ چوتھا گروہ وہ ہے جو براہ راست بھارتی اثاثے ہیں اور اس ماحول کو خراب کرتے ہیں۔ جس طرح کے دھماکے اور دہشت گردی ہوتی ہے

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ہدایات کہاں سے آئی ہیں۔

صیہونیوں کا سب سے بڑا مقصد پاکستان کے نیوکلیئر یا ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کرنا ہے اور پاکستان کے اندر مسائل پیدا کرنا ہے۔ نتیجتاً پاکستان کو دفاعی اعتبار سے کمزور کیا جارہا ہے اور ملک میں افراتفری اور مسائل میں اضافہ کر کے پاکستان کی وفاقی حکومت کو کمزور کیا جارہا ہے۔۔ بدقسمتی سے سیاسی تکفیریوں کا مقصد بھی یہی ہے یعنی وہ پاکستان کے اندر ریاست اور حکومت کے درمیان سیاسی اختلاف کو ابھارنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ریاست کے خلاف اعلان جنگ کردیا ہے۔ نتیجتاً جو افراتفری پھیل رہی ہے وہ صیہونیوں کے فائدے میں ہے۔ پاکستان کے جوہری اثاثوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اس کا براہ راست فائدہ صیہونیوں کو بھی ہو رہا ہے اور تکفیریوں کو بھی۔ دونوں کے مقاصد پاکستان کے حوالے سے مشترک ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے یہ معاملہ انتہائی خطرناک ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اپنے اندر سے بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو انہی مقاصد پر کام کر رہا ہے جس پر صیہونی کام کر رہے تھے۔ اب صیہونیوں کو ایسے گروہ کی موجودگی میں باہر سے کوئی امداد بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی۔ انہی کو پیسے دیتے ہیں اور ان سے پاکستان کے خلاف کام لیتے ہیں۔ دشمن ہمارے ایٹم بم کو اسلامی بم کہتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں پاکستان ہی غیر مسلم اقوام کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ ان کی یہ سوچ کہ ہم پاکستان کو تباہ کردینگے، انشاءاللہ کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔

پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ سیاسی تکفیریوں سے ہے اور اس کیلئے ہمیں سب سے پہلے مغرب سے بات کرنی پڑے گی کہ وہ ان تمام مقبوضہ علاقوں جن میں کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور چیچنیا شامل ہیں، میں غاصبانہ کارروائیاں ختم کردیں۔ اس طرح پاکستان کو انتہا پسندی کے ذمرے میں جو مسائل درپیش ہیں وہ مفاہمت کے لیے جرگے بھیجنے یا نچلی سطح پر کچھ جماعتوں سے بات کر کے حل نہیں ہوسکتے۔ ہمیں امت اور پاکستان کی سطح پر ان سے بات کرنی پڑے گی۔ حکومت کو چاہیے کہ براہ راست ان سے بات کرے ان سے پوچھا جائے کہ پاکستان کی ریاست کو کیوں تباہ کرنا چاہتے

ہیں؟ ویسے بھی پاکستان کو تباہ کرنے کی کوئی شرعی حیثیت ان کے پاس موجود نہیں ہے۔

قرآن شریف میں واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ ’’اگر دو جماعتوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو ان کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دیں اور پھر جو نہ مانیں ان سے لڑیں‘‘ یہ ابھی تک نہیں کیا گیا۔ ان سے بات کرنی پڑے گی ان سے پوچھنا پڑے گا کہ پاکستان کے خلاف آپ کی جنگ جائز ہے تو اسے شرعی اعتبار سے ثابت کریں۔ اگر یہ اس کو ثابت نہ کرسکیں تو پھر انہیں توبہ کرنی چاہیے۔ سیکولر طریقے سے مذہبی انتہا پسندی کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے قرآن وسنت کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ جو مسلمان بکھر گئے ہیں ان سے بات کرنی پڑے گی۔ اس کے لیے پوری قوم کو اکٹھا ہونا پڑے گا۔ ہمیں پھر سے امت بننا ہوگا۔ ہمیں اسلامی ممالک کی تنظیم کے ساتھ مل کر اس اہم مسئلے کو حل کرنا ہوگا۔

طاقت کے استعمال کا وقت ابھی نہیں آیا۔ انہیں یہ امر باور کروانے کی ضرورت ہے کہ خفیہ طریقے سے، چھپ چھپ کے، پہاڑوں کے پیچھے سے حملے کر کے اسلام اور شریعت نافذ نہیں ہوسکتی۔ اس سے صرف پاکستان کو نقصان ہوگا اور یہی صیہونیوں کا اصل مقصد ہے۔ یہ وہی پاکستان ہے جس نے 1980ء کی دہائی میں افغان جہاد میں ان کی مدد کی تھی تو پھر آج اس فوج، ملک اور اس کی عوام کو کیسے کافر کہا جاسکتا ہے، اور یہاں کروائے جانے والے خودکش حملوں کو کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کا حل صرف یہ ہے کہ ان کے ساتھ قرآن وسنت کی بنیاد پر بات کی جائے۔

☆......☆......☆......☆